محمد علی ردولوی کے افسانوی اسلوب کی بنت کاری

ڈاکٹر سلمان علی*

Abstract:

Chaudhari Muhammad Ali Radolvi as a little known figure in the world of art. Many grate writers are lying in deep pits of obscurity. However, Chaudhari sahib's writing that he has left behind have kept alive his memory. The article under review, which is an attempt of analyze Chaudhari Sahib's stylistic technique in his fictional prose, enables us to determine his status in Urdu literature.

چوہدری محمد علی ردولوی کو بہت کم لوگ جانتے ہونگے۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے بہت پہلے ان کے بارے میں لکھتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا تھا کہ

''ایسے لکھنے والے تعرگمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔''(۱) لیکن چوہدری صاحب کی تصانیف اب بھی ان کی یاد کو تازہ کرتی ہیں ان کے مندرجہ ذیل شہ پارے افسانوی ادب میں رکھے جاسکتے ہیں۔

۱۔ ''کشکوک محمد علی شاہ فقیر''

۲۔ ''گناہ کا خوف''

۳۔ ''اتالیق بی بی''

''اتالیق بی بی'' میں شوہروں پر عورتوں کی بے معنی نکتہ چینوی اور بے جا شکایتوں کا بہت ہی سچا خاکہ دکھایا گیا ہے۔ جس کو ۱۴ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔اور ہر باب میں بیوی شوہر کی زندگی کے مختلف امور اور اس کے شب و روز پر نکتہ

* شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

چینی اور بے جا شکائتیں انتہائی دلکش اور رسیلے انداز میں پیش کی گئی ہیں۔لیکن بقول ردولوی صاحب ''اتالیق بی بی۔۔۔۔انگریزی کی کتاب ''کرٹین پکچرز'' سے اس خوبی کے ساتھ ماخوذ کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ خوبی پیدا کرنا ممکن نہیں'' (۲)

''کشکول محمد علی شاہ فقیر'' اور ''گناہ کا خوف'' میں محمد علی ردولوی کے انداز بیان میں ان کی طبیعت کی شوخی جابجا جھلکتی نظر آتی ہے۔جوطرح طرح سے اپنے کرشمے دکھاتی ہیں۔

بقول سید سجاد ظہیر

> ''وہ اردو لکھتے ہیں تو اس میں وہ لوچ اور لطیف طنز اور تفنن ہوتا ہے جس سے پرانے لکھنؤ کی مہلک آتی ہے لیکن باتیں کرنے پر آتے ہیں تو جنسیات اور نفسیات کے ماہرین، فرائڈ اور ہیلاک ایلس دوسری طرف ان کی زد میں ہوتے ہیں۔بزرگوں اور بڑوں کے درمیان ہوتے ہیں تو ان سے آخرت، جائیداد اور اولاد کا تذکرہ کریں گے اور نوجوانوں میں ہوں گے تو جنسیات کے مسائل پر ایسی محققانہ گفتگو کریں گے کہ بڑے بڑے رنگین مزاجوں کی آنکھیں کھل جائیں۔'' (۳)

مذکورہ بالا تمام خصوصیات جو سجاد ظہیر نے گنوائی ہیں۔چودھری صاحب کی تحریروں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ایک اور خصوصیات جو چودھری صاحب کے افسانوں کو پڑھنے کے بعد سامنے آتی ہے۔وہ یہ کہ چودھری صاحب افسانے نہیں لکھتے بلکہ قارئین سے بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہیں۔ان کی کہانیوں میں دوستانہ، ماحول کی کارفرمائی ہے۔اور ان کی تقریباً تمام کہانیاں کسی حقیقی واقعہ پر مبنی ہیں۔جس کی وجہ سے ان کی کہانیوں میں Autobiographic technique درآئی ہے۔علاوہ ازیں ان کے تکنیک کا دوسرا کمال یہ ہے کہ ان کے افسانے پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود قصہ کہانی نہیں لکھ رہے بلکہ وہ اور ان کا پڑھنے والا دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اس قصے میں سے داخلی طور پر گزر رہے ہیں۔اس سلسلے میں ''دھوکا'' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔جس میں مصنف اور قاری ایک ساتھ سفر کرتے ہیں۔

''گناہ کا خوف'' سماج کی ظواہر پرستی پر ایک لازوال طنز ہے۔یہ کہانی حقیقی زندگی کے پس منظر میں اُبھرتی ہے اور اپنے اندر مسرت اور تفکر کے انمول خزانے پنہاں رکھتی ہے۔تکنیکی لحاظ سے اس کہانی کو ہم ''افسانوی خاکہ'' کہہ سکتے ہیں۔کیونکہ چودھری صاحب نے عبدالغنی کی شخصیت کے مختلف پہلو بیانیہ انداز میں مختلف واقعات اور قصوں سے ایسے اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ عبدالغنی کی شخصیت اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نمایاں ہوجاتی ہے۔ملاحظہ کیجئے۔

''عبدالغنی صاحب نے بلا کا دماغ پایا تھا پر نہیں کٹے تھے۔ صوبہ بھر میں کہیں کا مقدمہ

ہو اور کیسے ہی پیچیدہ معاملات ہوں اگر فریق مقدمہ ان تک پہنچ گیا۔ تو سب مشکلیں حل ہو گئیں۔ زبان میں نہ معلوم کیا جادو تھا اور نہ معلوم کیسے انچھر یاد تھے کہ آدمی کو رام کر لینا کوئی بات ہی نہیں تھی۔ جہاں صلح کا موقع ہو اور دوسرے فریق کے دل میں جگہ کر کے صلح کرادی۔ جہاں لڑائی کا موقع ہو مخالف فریق کے بہترین آدمی توڑ لئے کوئی دوسرا ہزار دو ہزار میں کام نکالے یہ سو دو سو میں کامیاب ہو جائیں۔'' (۴)

اس کہانی کا اختتام بھی اپنے اندر بھرپور جاذبیت رکھتا ہے۔ اس طرح ''مرزا منش''، ''میٹھا معشوق''، ''خوش مذاقی کے اندھے'' اور زندگی کا مقصد'' بھی ''افسانوی خاکے'' ہیں بلکہ نادر روزگار لوگوں کے مرقعے ہیں جس میں چودھری صاحب کا قلم ان کے محاسن کی تفصیل میں ایک پُر خلوص اور دل کشا روانی دکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔

''اسباب کا غلام'' آٹو بائیو گرافک ہے ملاحظہ کیجئے۔

''میں نے اس طرح صورت بدل جاتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مذہبی حکایتوں میں بہت سُنا تھا کہ کوئی قوم اپنے گناہوں کی وجہ سے بندر ہو گئی۔ کسی کو غصہ ور خدا نے کسی دوسرے جانور کی شکل میں بدل دیا مگر ان آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق مجھ کو کیا کم تر آدمیوں کو ہوا ہوگا۔ کہانی شروع کرنے سے پہلے ایک بات اور عرض کر دوں۔۔۔۔'' (۵)

''آنکھوں کی زبان'' بھی آٹو بائیو گرافک ہے یہاں ان کی تکنیک ''اسباب کا غلام'' سے مختلف ہے۔ بھرپور افسانویت، شوخی اور بے باکی ''آنکھوں کی زبان'' میں دیکھی جا سکتی ہے اس کہانی کی تمہید میں قصے کی شانِ نزول کے بارے میں چودھری صاحب کہتے ہیں:

''یہ مضمون ایک واقعہ پر مبنی ہے جسمیں زبان سے بالکل کام نہیں لیا گیا تھا۔ بلکہ جتنی باتیں ہوئیں۔ وہ صرف آنکھوں سے ہوئی تھیں۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ آیا ہم لوگوں کی نگاہوں نے یہ سب کچھ کہا اور یہ سب کچھ سنا بھی لیکن اس میں کلام نہیں کہ تمام باتیں جو قلم بند ہوئی ہیں اس شریف زادی کی نگاہ سے میرے دماغ میں آئیں'' (۶)

اس کے بعد شعور کی زبان میں مصنف کا ذہن خود سے محوِ گفتگو ہے جس کو مکالموں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان مکالموں کی وجہ سے چودھری صاحب نے جس طرح اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے۔ وہ ان کا اپنا ہے اس سلسلے میں قرۃ العین حیدر کہتی ہیں:

''میں سمجھتی ہوں کہ بحیثیت اسٹائیلسٹ چودھری محمد علی اردو کے ایسے منفرد ادیب ہیں کہ کوشش کر کے بھی ان کی زبان اور اظہار بیان کا تتبّع نہیں کیا جا سکتا محمد علی ادب میں اپنے ساتھ یہ

اسٹائل لائے اور یہ محض انہی کا حصہ ہے'' (۷)

چودھری صاحب کے منفرد اور اسٹائیلسٹ ادیب ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے جس وقت افسانہ نویسی شروع کی اس وقت افسانے تکنیکی اور فکری لحاظ سے تین سمتوں میں رواں تھے۔ رومانی مصلحانہ، اور حقیقت پسندانہ چودھری صاحب ان تینوں دائروں سے باہر ہیں ان دائروں سے باہر وہ رہ کر لکھنا بھی کھیل نہیں ہے۔ بڑی جرأت اور بصیرت کی بات ہے۔ بقول صلاح الدین احمد

''وہ نہ تو نذیر احمد کی طرح کسی معاشرتی اصلاح کے علمبردار ہیں۔ نہ پریم چند کی مانند سماج کے بعض انوکھے تقاضوں کے ناز بردار، اور نہ اُنھیں ہمارے ترقی پسند دوستوں کی طرح جسم فروش یا مزدور طبقے کے مسائل کا کوئی افسانوی حل تلاش کرنے کی مجبوری ہے۔ میری ناچیز رائے میں وہ زندگی کے محض ایک خوش نظر تماشائی ہیں۔ کہ اس کے پُر رونق بازار میں سے اس کی رنگارنگ کیفیتوں کا جائزہ لیتے ہوئے خراماں خراماں چلے جارہے ہیں۔ کہیں ان کی نگاہ کسی دلچسپ چیز پر پڑتی ہے وہ ایک لمحہ کے لیے رُک کر اُسے نظر بھر کر دیکھ لیتے ہیں اور پھر آگے بڑھ جاتے ہیں۔'' (۸)

یہی وجہ ہے کہ چودھری محمد علی نے اس دور، اس ماحول اور زندگی کے انتہائی فنکارانہ MINIATURES پیش کئے ہیں۔

حواشی و کتابیات

۱۔ سوغات(۹) ص۸ بنگلور ۱۹۹۵

۲۔ کشکول ص۵۵۵ محمد علی ردولوی، اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۸۰ء

۳۔ روشنائی ص۱۱۷ سجاد ظہیر، نیا ادارہ لاہور۔ س ن

۴۔ کشکول ص۴۲۷-۴۲۸

۵۔ کشکول ص ۴۳۹

۶۔ کشکول ص۴۴۹

۷۔ پکچر گیلری، ص۸۹ قرۃ العین حیدر، قوسین لاہور۔ ۱۹۸۳ء

۸۔ کشکول (مقدمہ) ص۱۳-۱۲

❋❋❋